اختر راہی

قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی

اور

مطالعۂ مسیحیت سے دلچسپی

ماضیٔ قریب کے بیسیوں اہل علم جن کے تحقیقی کارنامے اس امر کے متقاضی ہیں کہ ان پر مستقل بالذات کتابیں تالیف ہوں، مگر ان کے بارے میں چند تعزیتی تحریروں کے سوا کچھ نہیں ملتا، ان میں سے ایک قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی (م ۱۹۵۵ء) ہیں۔ نظم و نثر میں ان سے متعدد کتابیں یادگار ہیں اور بڑی تعداد میں مقالات اور منظومات ہیں جو رسائل میں دبی ہوئی ہیں۔

قاضی صاحب نے ایک مضمون "اردو کا صحافتی ادب" میں لکھا ہے کہ [1]

> کاٹھیاواڑ ایسے دور افتادہ ملک سے بھی ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۳ء میں دو اچھے رسالے میری نگرانی اور ادارت میں جاری ہوئے یعنی "زبان" منگرول سے اور "شہاب" جونا گڑھ سے، دو دو سال جاری رہنے کے بعد بند ہو گئے۔

"زبان" مولانا عبدالرحمٰن خوشتر منگرولی کی ادارت میں جاری ہوا تھا اور قاضی صاحب اس کے نگران تھے۔ ثانی الذکر جریدہ "شہاب" انہوں نے مولانا سیّد ابوظفر ندوی کے اشترک سے جاری کیا تھا جس کا مقصد کاٹھیاواڑ میں اردو اور اسلامی علوم و معارف کی ترویج تھا۔

ماہنامہ "زبان" اور قاضی صاحب

مولانا عبدالرحمٰن خوشتر منگرولی نے ماہنامہ "زبان" کے اولین شمارے میں مولانا عبدالعزیز میمن (م ۱۹۸۰ء) کے ذکر خیر کے بعد قاضی صاحب کے بارے میں لکھا تھا۔ [2]

> دوسری قابلِ ذکر ہستی جس کو کوہ گرنار کی پُر انقلاب تلہٹی نے پیدا کر کے قلّہ کوہ سے بھی بلند آسمانِ علم و کمال پر مثلِ کوکب چمکایا، وہ ہمارے دوست قاضی احمد میاں اختر [جونا گڑھی] ہیں جو دنیائے ادب میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور جن کے نتائجِ افکار سے ہندوستان کے نامی اور چوٹی کے رسائل مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔
>
> --- ناانصافی ہوگی اگر ہم قاضی صاحب موصوف کی ان مساعی جمیلہ کا اعتراف نہ کریں جو

انہوں نے ترتیبِ "زبان" کے متعلق معقول مشورہ اور مضامین کی فراہمی وغیرہ میں کی ہیں۔ "مترجمات" اور "اَخبارِ علمیہ" کے عنوانات آپ نے اپنے لیے مخصوص کر لیے ہیں اور بلا ناغہ ہر ماہ مستقل طور پر اس پر لکھنے کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے یا یوں سمجھیے جو کام ہمارا تھا اس کا ذمہ لے کر ہمیں ایک زبردست ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔

قاضی صاحب نے "مترجمات" اور "اخبارِ علمیہ" کے مستقل عنوانات کے علاوہ "زبان" کے لیے متعدد مقالات لکھے اور ان کی کئی منظومات اس کے صفحات کی زینت بنیں۔ "زبان" اگرچہ گجراتی بولنے والے علاقے سے شائع ہوتا تھا مگر ہر لحاظ سے ایک معیاری جریدہ تھا۔ اسے گجرات کے اچھے اردو لکھنے والوں کا تعاون حاصل تھا اور بیرونِ گجرات کے بہت سے اہلِ علم کے مقالات اور منظومات اس کے صفحات میں جگہ پاتی تھیں۔ مندرجات اور طباعت کے بلند معیار کے باوجود "زبان" خریداروں کی کوئی بڑی تعداد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، اس لیے مالی مشکلات کا شکار رہا۔ ستمبر ۱۹۲۷ء سے فروری ۱۹۲۸ء کے چھ ماہ میں اس کا کوئی شمارہ شائع نہ ہو سکا۔ مارچ ۱۹۲۸ء کے شمارے میں مدیر "زبان" نے اپنے قارئین کو اطلاع دی کہ ولی عہد منگرول اور محترمہ عالیہ بیگم مناودر نے رسالے کی سرپرستی منظور فرمائی ہے نیز ان کے احباب نے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے اس لیے "زبان" شائع ہوتا رہے گا، مگر زبان کا "دورِ جدید" صرف چار شماروں تک محدود رہا۔ چند سال پہلے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ (انڈیا) نے ماہنامہ "زبان" کے تمام شماروں کی یک جا عکسی اشاعت پیش کی ہے۔

قاضی صاحب "زبان" کے دورِ اوّل (یعنی جولائی ۱۹۲۶ء تا اگست ۱۹۲۷ء) میں بہت نمایاں ہیں۔ زبان کے اوّلیں تین شماروں میں موسیو رینان (م ۱۸۹۲ء) کا لیکچر "علم اور اسلام" (ترجمہ: محمد اسماعیل اصلاحی) شائع ہوا ہے۔[۳] قاضی صاحب نے اس کے ابتدایے میں لکھا ہے۔

> [رینان] نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اسلام اور علم دو متضاد چیزیں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، اس [کے مقالے] کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا اور نہ اس کا جواب سوائے علامہ جمال الدین افغانی کے کسی نے دیا ہے۔ مصر کے ایک عالم یوسف علی مہندس نے رینان کے اس لیکچر کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جس کے شروع میں رینان کی مختصر سوانح عمری اور آخر میں بفحوائے الحدید یفلح بالحدید اس کے ہم مذہب، ہم قوم اور ہم وطن موسیو مسمر کے جواب کا بھی ترجمہ کر کے شامل کر دیا ہے جو اس نے اصل فرانسیسی میں لکھا ہے۔ میری استدعا پر میرے دوست مولوی محمد اسماعیل صاحب نے اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن ابھی وہ رینان کے سوانح اور لیکچر ہی کا ترجمہ کرنے پائے تھے کہ بعض ضروری کاموں کی وجہ سے اپنے وطن تشریف لے

گئے۔ اب میں موسیو مسمر کے جواب کا ترجمہ کر رہا ہوں جو ان شاءاللہ آئندہ کسی اشاعت میں ہدیۂ ناظرین ہوگا۔

رینان کے لیکچر کا ترجمہ شائع ہوا مگر موسیو مسمر کے مقالے کا ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔ "زبان" کے دورِ جدید کے شمارۂ اوّل میں مدیر نے افسوس کے ساتھ اطلاع دی کہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کو [4] "سیاست کے دستِ استبداد نے زبان کے لیے قلم اٹھانے نہ دیا۔"

تاہم "زبان" کے بند ہو جانے کے بعد قاضی صاحب نے رینان کا لیکچر، موسیو مسمر کا جواب، رینان کی جانب سے جواب الجواب اور سیّد امیر علی کا تبصرہ (جو "اسپرٹ آف اسلام" میں شامل ہے۔) ایک کتابچے کی شکل میں "علم اور اسلام" [5] کے عنوان سے شائع کر دیا تھا۔ البتہ انہیں علامہ جمال الدین افغانی کا مضمون [6] نہ مل سکا اور وہ شامل ہونے سے رہ گیا۔

"عالمِ اسلام اور عیسائیت" کے قارئین کی دلچسپی کے لیے ماہنامہ "زبان" (منگرول) سے قاضی صاحب کے عنوانات "مترجمات" اور "اخبارِ علمیہ" سے مسیحیت کے بارے میں چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔

حواشی

۱۔ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی، مضامین اختر جونا گڑھی، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان (۱۹۸۹ء)، ص ۴۱۲

۲۔ ماہنامہ زبان (منگرول)، جولائی ۱۹۲۶ء، ص ۶

۳۔ ایضاً، ص ۱۴-۱۵

۴۔ ایضاً، ۹-۱۰

۵۔ اعظم گڑھ: معارف پریس (۱۹۳۰ء)، ۵۸ ص

۶۔ علامہ جمال الدین افغانی کا مقالہ فرانسیسی میں تھا۔ اس کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھیے:
Nikki R. Keddie.,An Islamic Response to Imperialism: Politicial and Religious Writings of Sayyid Jamal-ud-Din "al-Afghani" Berkeley: University of California Press (1983), pp. 181-189.

لفظ "مسیح" کی اصلیت

اصل میں یہ لفظ عبرانی میں "مشیح"، سریانی میں "مشیحو" اور کلدانی میں "مشیحا" ہے جو لفظ "مشح" سے مشتق ہے اور جس کے معنی "مسح" کے ہیں۔ علامہ احمد فارس الشدیاق اپنی کتاب "الجاسوس علی

القاموس" (صفحہ ۴۹) میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان میں کوئی بادشاہ بنایا جاتا تو احبار یہود اس کے جسم کو تیل ملا کرتے تھے۔ اس لیے جب کوئی "مسح" کیا جاتا تو وہ اس کو "مسیح الرب" کہتے تھے، جو ان کے ہاں بادشاہ کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔ جب اپنے انقراض مملکت کے بعد یہود مسیح (یعنی بادشاہ) کی آمد کے منتظر ہوئے جو ان کو اس ذلت اور تباہی سے نجات دے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث برسالت ہوئے اور ان سے معجزات ظاہر ہوئے تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کو "مسیح ناجی" ماننے لگے۔ مگر انہوں نے جب آپ کو تارک الدنیا اور ان کے فرشتوں کا ارضی نہیں بلکہ سماوی ہونا معلوم کیا تو کہنے لگے کہ آپ کا "مسح" الٰہی اور روحانی ہے مگر اس قول سے ان لوگوں کی تشفی نہ ہوئی جو مجازی نہیں بلکہ حقیقی "دنیوی مسیح" کے منتظر تھے۔ چنانچہ اب تک یہود کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام دراصل مسیح نہ تھے۔ بادشاہ یا حاکم کو تیل ملنے کا رواج آج بھی حبش میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کے سلاطین سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اب تک تورات کی بعض سنّتوں مثلاً ختنہ، اباحت تسّری وغیرہ پر ان کا عمل درآمد ہے۔

اسلام اور دانتے

مجریط (اندلس) کے ایک زبردست مستشرق اور عربی کے جیّد عالم پروفیسر آسین نے اٹلی کے نامور شاعر دانتے کی مشہور کتاب ڈیوائن کامیڈی (Divine Comedy) کا مقابلہ اسلامی تصانیف سے کر کے بتایا ہے کہ دانتے نے اپنی کتاب میں اسلامی خیالات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، اسی پر اکتفا نہ کر کے پروفیسر موصوف نے امام ابنِ عربی کی تصانیف سے مثالیں پیش کی ہیں اور ان کا مقابلہ دانتے کی عبارت سے کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ مشابہت و مماثلت کوئی اتفاقی حیثیت نہیں رکھتی --- پروفیسر سر ٹی - ڈبلیو - آرنلڈ نے رسالۂ "منارۃ" میں اس پر ایک مقالہ سپردِ قلم فرمایا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔

> انگریزی کی ان تمام عظیم الشان اور معرکتہ الآراء کتابوں میں جو حال میں شائع ہوئی ہیں، ایک کتاب "اسلام اور ڈوائن کامیڈی" ہے جس کو اندلس کے ایک مشہور عربی دان عالم پروفیسر آسین نے (جو مجریط کی یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں) اسپینی زبان میں تصنیف کیا ہے جب پہلے پہل یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تو یورپ اور امریکہ کے علمی حلقوں میں خصوصاً دانتے کے شیدائیوں میں ایک ہل چل مچ گئی۔ مؤخر الذکر گروہ کے لیے تو یہ معلوم کرنا یقیناً ایک سخت اور ناقابل برداشت صدمہ تھا کہ کتاب "ڈوائن کامیڈی" جو قرونِ وسطیٰ کے کلیسائے کاتھولیکیہ کے دینیات، فلسفہ اور علم

الکائنات کی "دائرۃ المعارف" ہے، اپنی نمایاں خصوصیتوں میں اسلامی ماخذ کی رہینِ منت ہے، پروفیسر آسین نے اپنے اس جرأت آمیز نظریہ کی تقویت واثبات کے لیے زبردست شواہد پیش کیے ہیں اور عربی لٹریچر پر اپنے کامل عبور، خصوصاً صوفیائے اسلام میں سے ابنِ عربی کی تصانیف سے --- اپنی گہری واقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے ان مشہور اندلسی عالم و فلسفی کی تصانیف کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے جنھوں نے دانتے کی ولادت سے صرف ۲۵ برس پہلے وفات پائی۔ پروفیسر آسین نے ہر دو مصنفین کے کلام میں مشابہت کی کئی مثالیں پیش کر کے دونوں کے طرزِ بیان اور صوفیانہ استعارات و تشابیہ کو بتلایا ہے جو ان دونوں فلسفیوں کی تحریر میں پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سر آر نلڈ لکھتے ہیں۔

دانتے کی مشہور نظم کا موضوع، جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے، دوزخ، اعراف اور بہشت میں نشأۃ ثانیہ کا بیان ہے۔ پروفیسر آسین دانتے کے بیان کا مقابلہ اسلام کے واقعۂ معراج کے بیان سے کرتے ہیں جو عربی لٹریچر میں بہت اہم بات کہتا ہے، بعض مسلمان مصنفین نے واقعات معراج کو بطور تاریخی واقعات کے لکھا ہے اور بعض مصنفین نے صوفیانہ رنگ میں ان کا ذکر کر کے اعمال نیک کے ثواب اور گناہوں کے عذاب کے متعلق ان کو اخلاقی تعلیم کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہم اس وقت ان جزئیات کو پیش نہیں کرنا چاہتے جن کو پروفیسر آسین نے فاضلانہ طور پر پیش کیا ہے کیونکہ یہ کتاب اب انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے اور انگریزی دان اصحاب کے لیے سہل الحصول ہے۔ پروفیسر موصوف کی پیش کردہ متعدد مثالیں ایسی واضح اور مشابہ ہیں کہ ان کو اتفاقات میں نہیں شمار کیا جا سکتا۔ ضمناً یہ کتاب مذہب اسلام کے مطالعہ اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ پر اسلامی اثرات پر بہت روشنی ڈالتی ہے۔

کتاب سعد السعود

ایران کے ایک نامور عالم شیخ ابو عبداللہ زنجانی نے مصر کے نامور ادیب احمد تیمور پاشا کو ایک خط لکھا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

مجھے کتاب "سعد السعود" دستیاب ہوئی ہے جس کو ۶۵۱ھ میں علی بن موسیٰ بن محمد الطاؤس نامی امامیہ کے ایک عالم نے تالیف کیا تھا۔ اس کا موضوع یہ ہے کہ مؤلف نے

صحف سماوی مثل قرآن، توراۃ، انجیل، صحف ادریس اور قدماء کی چند تفاسیر فی سبیل اللہ وقف کر دیں جو اگرچہ آج ہمارے پاس موجود نہیں ہیں تاہم ابن الندیم نے "الفہرست" میں ان کا ذکر کیا ہے، مؤلف نے ان ہی کتابوں سے عمدہ اور مفید انتخابات اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔ ان منقولات میں سب سے زیادہ اہم ایک نسخہ انجیل کی آیات ہیں جن کے شروع میں لکھا ہے "شرح انجیل جس کو مالما مطران --- نے امیرالمومنین المامون کے لیے اس سن میں تصنیف کیا جبکہ نسطوریہ نے یعاقبہ پر خروج کیا تھا اور خلیفہ نے اس کی اعانت کی تھی۔ سریانی سے عربی میں دونوں زبانوں کے علماء کی موجودگی میں منتقل کیا گیا۔ انجیل کا وہ نسخہ (سریانی) اصل نسخہ سے نقل کیا گیا تھا اور یہ نسخہ اس (سریانی) نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

اس انجیل کی آیات اور موجودہ انجیل کی آیات میں بھی فرق پایا جاتا ہے صحف ادریس کو مؤلف نے کوفہ کے "مشھد الطاہر" کے وقف کی ایک کتاب سے نقل کیا ہے جس پر "سنن ادریس" لکھا ہوا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ

بخط عیسیٰ محرر، سریانی سے عربی میں ابراہیم بن ہلال بن ابراہیم بن ہرون الصابی الکاتب نے نقل کیا۔

ہرون غالباً زھرون کا محرف ہے اور یہ صابی وہی مشہور و معروف مترجم اور انشا پرداز ہے۔ بہرحال اس کتاب سے بہت سے علمی، ادبی اور تاریخی معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

ایک فرانسیسی کی تعریف اسلام

موسیو سرویر (Servier) ایک فرنچ مشنری مصنف ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہر وقت زہر اگلنے پر مستعد رہتا ہے۔ حال میں اس نے ایک کتاب "سائیکالوجی آف دی مسلمان" کے نام سے لکھی ہے۔ مسٹر اے - کن روس (Kinross) انگریزی کے رسالہ "انگلش ریویو" میں اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انگریز لوگ اسلامی ترقی کو ممکن خیال کرتے ہیں جبکہ موسیو سرویر اس کو نہیں تسلیم کرتے۔ ان کے نزدیک مذہب اسلام ایک وقتی مذہب ہے جو منجمد، مُردہ اور ناقابل تغیر و ترمیم ہے۔ اس کے خیال میں نصف تعلیم یافتہ مصریوں ہی نے اپنی قومیت کا زہر تمام عالم اسلامی میں افریقہ کے فرنچ مقبوضات تک پھیلا رکھا ہے۔

مسٹر کن روس موسیو مذکور کے ان نتائج پر چیلنج دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کیا ایک مسلمان مصنف موسیو سرویر کے تتبع میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ عیسائی مذہب ایک خاص وقت کے لیے تھا اور کہ وہ منجمد، مردہ اور ناقابل ترمیم ہے اور کیا وہ اس کی دلیل چھین کر اہل پروشیا کو مثال میں نہیں پیش کر سکتا جنھوں نے نائرہٗ جنگ و جدال مشتعل کیا اور صلح کو اپنی فریب بازیوں سے اُڑا دیا؟ کیا وہ روم اور کلیسائے روم کو پیرو (Pero) میں اہل اسپین کی کارروائیوں، سینٹ بارتھولمیو کی خون ریزیوں، اور ملٹن کے "اولیائے مقتول" (Slaughtered Saints) اور اسی قسم کے چھوٹے بڑے مظالم سے تعبیر نہیں کر سکتا؟

موسیو مذکور کے حق میں یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ وہ ان مسلمانوں سے خائف معلوم ہوتے ہیں جبکہ ہمیں ان سے کوئی خوف نہیں ہے۔

اکبر کا مذہب (عہدِ مغلیہ کی تصاویر پر سے)

ریورنڈ ٹی ایچ - ہراس نے جو سینٹ زیویر کالج (بمبئی) میں تاریخ کے پروفیسر ہیں، "مغلیہ تصاویر اکبر کے مذہبی مباحثات پر" کے عنوان سے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں بزیر صدارت سر للو بھائی شاہ ایک دلچسپ لیکچر دیا تھا، جس کا ملخص حسب ذیل ہے۔

ابتداء میں مقرر نے کہا کہ وہ صناعی نقطۂ خیال سے اس موضوع پر کچھ نہیں کہے گا۔ بلکہ وہ صرف ان تصاویر سے اکبر کے مذہبی مباحثات پر ایک تاریخی تبصرہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ مقرّر نے کہا کہ یوں تو تمام تاریخ دستاویزی سندات پر مبنی ہوا کرتی ہے مگر نقوش و تصاویر بھی مستند دستاویزیں ہونے کے لحاظ سے استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ اکبر ایک صوفی مزاج بادشاہ تھا۔ اس نے دیکھا کہ ہندوستان کا اتحاد تمام تر مذہبی اتفاق پر منحصر ہے، لہٰذا اس نے مذہبی مباحثوں کو ترقی دی۔ متعدد تواریخ سے اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا مزید ثبوت اس "عبادت خانہ" سے ملتا ہے جس کو اکبر نے ان مباحثات کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ وہاں تمام مذاہب کے نمائندے ہندو، پارسی، عیسائی، مسلمان، جینی اکبر کی سرپرستی میں جمع ہوتے تھے۔ ۱۵۷۳ء سے ۱۵۷۹ء تک اکبر ہندو مذہب کے زیر اثر تھا جس کی وجہ راجپوت کماریوں کے ساتھ اس کا عقد اور بیربل کی مصاحبت تھی اور دستور مہرجی رانا کے دربار اکبری میں شامل ہونے کی وجہ سے زردشتی مذہب کا اثر اکبر پر پڑا۔ چنانچہ یہ کہا جاتا تھا کہ اگرچہ اکبر اپنے دل سے ایک صوفی ہے مگر وہ رسومِ مذہبی کے لحاظ سے پارسی ہو گیا ہے۔ یہ اثر ۱۵۸۰ء سے ۱۵۸۳ء تک رہا۔ پھر اکبر نے اپنے دربار میں تین یسوعی پادریوں کو بلایا۔ چنانچہ ۱۵۸۳ء سے ۱۵۸۷ء تک اس کا میلان عیسائیت کی جانب رہا۔ فادر مونسٹراٹ اور فادر اکوا

ویوا مشہور عیسائی تھے جنہوں نے اکبر پر یہ اثر ڈالا تھا۔

اس کے بعد مقرر نے ان تینوں تصویروں کو جو عبادت خانہ کی تھیں، پیش کیا۔ یہ تصاویر پونا سے ہاتھ لگی تھی جہاں غالباً عہدِ پیشوا میں آگرہ سے لائی گئی تھیں۔ ان تصاویر میں درختوں سے گھری ہوئی چھوٹی سی ایک پہاڑی کے دامن میں اکبر مختلف مذاہب کے علماء کے بیچ میں بیٹھا ہوا ان کے مباحثہ میں سرگرم نظر آتا ہے۔ مقرّر کا قیاس ہے کہ یہ پہاڑی فتح پور کے قریب ہوگی۔

مسیح علیہ السلام کے وجود سے انکار

مندرجہ بالا عنوان سے ولایت کے مشہور اخبار "نیشن" نے اپنی تازہ اشاعت میں ایک مقالہ شائع کیا ہے جس کا ملخص حسب ذیل ہے۔

امریکہ کے ایک شخص جارج براندس نے (Jesus: A Myth) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح کی شخصیت بالکل موضوع اور من گھڑت ہے، جیسے کہ ہرقلیس اور پرامیتھس کی شخصیتیں لوگوں نے وضع کرلی ہیں۔ یہ کوئی جدید نظریہ نہیں ہے، تنقید بائبل کے آغاز سے ہی اس کی ابتداء ہوچکی ہے جس کو تقریباً ڈیڑھ سو سال ہو چکے ہیں اور اس نظریہ کی ترقی یافتہ صورت کو پچاس سال سے زائد عرصہ نہیں گزرا۔ یقیناً یہ مسئلہ ارتقاء مسیحیت کے مطالعہ کی راہ میں حائل ہونے والی مشکلات کے لیے بہت جلد حل طلب ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عہد نامۂ جدید تاریخی حیثیت سے بالکل پایۂ استناد سے گرا ہوا ہے، اور کئی صدیوں تک اس کی صحت کے متعلق کوئی سوال پیدا نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تاریخی تنقید کے اصول مدوّن ہونے سے پہلے کلیسائے عیسوی کا اقتدار و اثر پورے عروج پر تھا، اور صدیوں تک جو لوگ اس بات کو ماننے کے عادی ہو چکے تھے کہ ہومر کی الیڈ کی تلخیص جنگ تروجن (Trojan) کو برائے العین مشاہدہ کرنے والے ایک شخص نے تیار کی ہے اور جو قسطنطین کے موضوع "عطیہ" کو بلاچوں و چرا تسلیم کرتے رہے، وہ کبھی اس اساسی دستاویز پر اعتراض نہیں کرسکتے تھے جو ان کے مذہب کی مؤید تھی۔ حتیٰ کہ مارٹن لوتھر نے بھی اناجیل اربعہ کے اتحادِ مضامین پر اپنے عدمِ اطمینان کو صاف طور پر ظاہر کردیا۔

۱۷۸۲ء میں جرمن عالم کارل فرائڈرخ بہروت نے اس نظریہ کو ترقی دی کہ مسیح فرقہ ایسنز (Essenes) کی ایک پوشیدہ جماعت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح تھا جس کے ذریعہ سے وہ یہودیوں کو اپنی مادی رسم "مسیح" کے خیال سے ہٹانا چاہتی تھی۔

پون صدی کے بعد برنو باور حیاتِ مسیح سے متعلق پختہ معاصرانہ شہادت کی عدم موجودگی میں کوئی معقول عذر تلاش کر رہا تھا۔ اس نے "مخفی انجمن" کے اس نظریہ کو ایک نئی تحریک دی، اور بڑی جرأت

سے اناجیل کی تاریخ تصنیف (دوسری صدی عیسوی) سے مفر کرتے ہوئے اس بات کو ظاہر کیا کہ مسیح کا قصہ یزو بادشاہ روم کے عہد میں ایجاد ہوا ہے۔ اور اس پر آج تک حاشیہ آرائی ہوتی رہی ہے۔ اس نے یہ استدلال کیا کہ عہد جاہلیت (قبل مسیح) کے فلاسفر، خصوصاً سینیکا (Seneca) عیسائیت کے ان اخلاقیات کی تدوین بہت پہلے کر چکے تھے، البتہ وہ اپنے خیالات کی عام اشاعت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے لوگوں نے ان کو ایک ایسی شخصیت سے منسوب کرنا چاہا جس میں "مافوق الفطرۃ" ہونے کی دلکشی پائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مسیح کا اسطورہ (Myth) وضع کر لیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے نظریات تاریخی مشکلات کو حل کر دیتے ہیں، لیکن وہ اس "مافوق الفطرۃ مصنوعی شخصیت" سے تو بہر حال کچھ کم ہی قابل اعتماد ہوتے ہیں--- [ان نظریات کے حامل لوگ حضرت مسیح کے] ان معجزات کی بہ نسبت اپنے نظریوں کے لیے زیادہ اعتماد کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ اور اس بات کو یاد دلاتے ہیں جو کسی عقیدت مند نے ایک مشہور معقولی سے طعناً کہی تھی کہ "وہ ہر بات کو ماننے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ وہ بائبل میں نہ ہو۔" اساطیر دراصل اس قدر موضوع اور مخدوش نہیں ہوا کرتے جس قدر کہ ان کی روایت کا طریقہ ہوتا ہے یعنی کہ وہ ایک کے منہ سے نکل کر دوسرے کے منہ تک پہنچتے پہنچتے کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اگر مسیح کی شخصیت ایک قصہ کہانی ہے تو وہ کسی مخفی انجمن کی وضع و اختراع نہیں ہے بلکہ رفتہ رفتہ انسانی ضرورت اس کو وضع کرنے کی داعی ہوئی ہے۔

یقیناً عیسائی یا ملحد علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات پر اتفاق کرے گی کہ "روایات کا مسیح" "تاریخی مسیح" سے بالکل جداگانہ ہے اور اکثر لوگ اس کو تسلیم کریں گے کہ یہ اسطورہ خواہ کتنا ہی غلط اور قابل اعتراض ہو، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ضرور کوئی تاریخی شخصیت ہونی چاہیے جس کے متعلق لوگوں نے بعد میں مبالغہ کر دیا ہے۔

تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

مسیح کے وجود سے متعلق اطمینان بخش شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور اگر یوسی فس کا دستیاب ترجمہ، جس میں مسیح کا ذکر موجود ہے (اور جسے عام طور پر زمانۂ مابعد کی تفسیر سمجھا گیا ہے) فی الحقیقت اتنا ہی قدیم ہو جتنا کہ کہا جاتا ہے تو مسیح کے تاریخی وجود کا یہ ایک بین ثبوت ہو سکتا ہے۔